سلسلہ عالیہ احمدیہ کا سب سے پہلا مشہور و معروف اخبار جسکو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک قرار اپنا بازو دیا

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ط

الحکم

ہفتہ وار اخبار

چندہ سالانہ
حکومت اور والیانِ ریاست سے ۱۲
امراء و روٴسا سے ... ۱۰
معاونین سے ۸
عوام سے ۵
ممالک غیر سے .... ۱۲ شلنگ

چہ گویم با تو گر آئی چہا در قادیاں بینی
دوا بینی شفا بینی غرض دار الاماں بینی
بیا در بزم مستاں تا بہ بینی عالمے دیگر
بہشتے دیگر و ابلیس دیگر آدمے دیگر

مدیر اعلیٰ
شیخ یعقوب علی تراب احمدیؓ عرفانی

مدیر مسئول
شیخ محمود احمدؓ عرفانی مجاہد مصری

جلد ۴۵ | مورخہ ۲۱/۲۸ ستمبر ۱۹۴۲ء مطابق ۲۱/۲۸ تبوک ۱۳۲۱ ہش | نمبر ۲۶ و ۲۷

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت کا ایک عظیم الشان نشان

قادیان میں مختلف قوموں کے افراد کے آپس میں پیوند

از حضرت امیر المؤمنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ
فرمودہ ۹ ماہ تبوک ۱۳۲۱ ہش
(مرتبہ مولوی محمد یعقوب صاحب مولوی فاضل)

حضرت امیر المؤمنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز نے مسجد مبارک میں ایک نکاح کا اعلان کرتے ہوئے حسب ذیل خطبہ پڑھا:۔

آیات مسنونہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

اللہ تعالیٰ کی قدرت

ہے۔ اور وہی لوگ اس قدرت کا مشاہدہ کر سکیں گے۔ اور کرتے ہوں گے۔ اور اس سے لطف اٹھا سکتے ہوں گے۔ جنہوں نے

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ابتدائی ایام

کے حالات کو دیکھا ہو۔ بعد میں آنے والے اس کا اندازہ اور قیاس بھی نہیں کر سکتے۔ جبکہ قادیان ایک چھوٹی سی بستی تھی۔ جب قادیان میں احمدیوں کی تعداد اس چھوٹی سی بستی میں بھی آٹے میں نمک کے برابر نہیں تھی۔ جب

ساری احمدی آبادی

صرف تین گھروں میں محصور تھی۔ ہمارا گھر تھا۔ حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ کے مکان کا کچھ حصہ تھا۔ یا وہ مکان تھا۔ جہاں مولوی قطب الدین صاحب اب مطب کیا کرتے ہیں۔ اسی طرح تیسری عمارت موجودہ مہمانخانہ کی تھی۔ یہ

صرف چار عمارتیں

اس زمانہ میں تھیں۔ درمیان کی عمارتیں۔ ساتھ کی عمارتیں۔ بورڈنگ اور مدرسہ کی عمارتیں سب بعد کی ہیں۔ خود یہ گھر جس میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام رہتے تھے۔ بہت چھوٹا سا تھا۔ اور اس کے کئی حصے اس وقت تک نہیں بنے تھے۔ تو یہ تھوڑی سی آبادی تھی۔ جو اس وقت احمدی جماعت کہلاتی تھی۔ مجھے یاد ہے۔ میں نہیں کہہ سکتا۔ کہ وہ

پہلا جلسہ تھا یا دوسرا

پہلا تو غالباً نہیں ہوگا۔ کیونکہ مجھے اس کا نظارہ اچھی طرح یاد ہے ۱۸۹۱ء میں پہلا جلسہ ہوا ہے۔ اور اس وقت میری عمر بہت چھوٹی تھی۔ ۱ سالہ غالباً یہ دوسرا جلسہ ہوگا۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے۔ کہ جہاں آج کل مدرسہ احمدیہ ہے۔ یہاں ایک پلیٹ فارم بنا ہوا تھا۔ پہلے یہاں فصیل ہوا کرتی تھی۔ گورنمنٹ نے اسے نیلام کر دیا۔ اور اس ٹکڑے کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خرید لیا۔ جہاں تک مجھے یاد ہے۔ یہ ٹکڑہ زمین ستر روپوں میں خرید اگیا تھا۔ حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ ان دنوں جموں میں تھے۔ جب آپ کو یہ اطلاع ہوئی۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام یہ زمین خریدنا چاہتے ہیں۔ تو غالباً آپ نے ہی روپے بھجوائے تھے۔ اور آپ کے روپوں سے ہی یہ زمین خریدی گئی تھی۔ اس وقت یہاں ایک چبوترہ سا تھا۔ وہ جگہ اس سے کم ہی چوڑی تھی۔ جتنی اس

مسجد مبارک کی چوڑائی

ہے۔ لیکن لمبی چلی جاتی تھی۔ مہمان خانے کے ایک سرے سے شروع ہو کر نواب صاحب کے مکانوں کی حد تک چلی گئی تھی۔ اور وہاں فصیل کے گر جانے کی وجہ سے چبوترہ بنا دیا گیا تھا۔ دوسرا جلسہ یا دوسرے جلسے کا کچھ حصہ اس فصیل پر ہوا تھا۔ مجھے یاد ہے۔ ہم اس وقت اس جلسہ اور اسکی غرض و غائت کو سمجھنے کی طاقت نہیں رکھتے تھے۔ البتہ

ایک بات

مجھے اچھی طرح یاد ہے۔ اور میں نے اس کے متعلق بعض پرانے لوگوں سے دریافت بھی کیا ہے۔ مگر کسی نے مجھے صحیح جواب نہیں دیا۔ اور وہ یہ کہ اس چبوترے پر دو چھوٹی چھوٹی دریاں بچھا دی گئی تھیں۔ جن پر لوگ بیٹھے تھے۔ یہ بات میری سمجھ میں اب تک نہیں آئی۔ کہ اس وقت کیا ہوا۔ کہ ان دریوں کو بار بار اٹھا کر جگہ بدلی گئی تھی۔ اور کئی بار ایسا ہوا۔ کہ پہلے ایک جگہ دریاں بچھائی جاتیں۔ اور جب لوگ بیٹھ جاتے۔ تو تھوڑی دیر کے بعد وہاں سے اٹھا کر دریاں اور جگہ بچھا دی جاتیں۔ نہ معلوم دھوپ پڑتی تھی۔ یا کوئی اور بات تھی۔ میں اس کے متعلق

یقینی طور پر کچھ نہیں کہہ سکتا۔ اور اس وقت سے لیکر اب تک مجھے کوئی ایسا آدمی ملا نہیں۔ جو اسکی وجہ بتاتا۔ مجھے محض کے لحاظ سے یہ نظارہ خوب یاد ہے۔ اور ایک تماشہ سا لگتا تھا۔ کہ پہلے لوگ ایک جگہ بیٹھے ہیں۔ اور پھر یکدم کھڑے ہو کر دوسری جگہ بیٹھ جاتے ہیں۔ غرض اس وقت

احمدیت کی ساری کمائی دو دریوں پر

آگئی تھی۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس وقت کی تعداد اپنی ایک کتاب آئینہ کمالات اسلام میں شائع کی ہے۔ اس کو دیکھا جائے۔ تو معلوم ہو سکتا ہے۔ کہ اس وقت کتنے لوگ جلسہ میں شامل ہوئے۔ پھر جس قدر نام حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے شائع کئے ہیں۔ وہ سارے ایسے نہیں ہیں۔ جو ایک وقت جلسہ میں شامل ہوئے ہوں۔ اور نہ سارے بڑی عمر کے آدمی ہیں۔ بلکہ ان میں سے کچھ حصہ بچوں کا ہے۔ اور کچھ ایسا ہے۔ جو ایک وقت جلسہ میں شامل ہؤا۔ اور پھر چلا گیا۔ جلسہ سالانہ چونکہ تین چار دن رہا تھا۔ اسلئے ان شامل ہونے والوں میں سے کوئی ایک دن رہا۔ اور چلا گیا۔ کوئی دو دن رہا اور چلا گیا۔ کوئی تین دن رہا اور چلا گیا۔ اسلئے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آئینہ کمالات اسلام میں جلسہ سالانہ میں شامل ہونے والوں کی جو

۳۲۷

تعداد لکھی ہے۔ ان میں نہ تو سارے بالغ تھے۔ اور نہ سارے ایک وقت میں جمع ہوئے تھے۔ بلکہ میں جہاں تک سمجھتا ہوں۔ ایک وقت میں زیادہ سے زیادہ سو ڈیڑھ سو آدمی جلسہ میں شامل ہوتے تھے۔ اور کچھ ایسے بھی تھے۔ جو تھوڑی دیر کے لئے آئے اور چلے جاتے۔ یہ جماعت احمدیہ کا دوسرا سالانہ جلسہ تھا۔ اور اگر میرا حافظہ غلطی نہیں کرتا۔ تو اس مسجد میں جتنے لوگ نظر آرہے ہیں۔ ان سے کم ہی اس جلسہ میں نظر آتے تھے۔ پھر

خدا نے یہ برکت دی

کہ اس نے چاروں طرف سے لوگوں کو جمع کرنا شروع کر دیا۔ اور اللہ تعالیٰ کا یہ الہام پورا ہونا شروع ہؤا۔ کہ

یاتیک من کل فج عمیق
یاتون من کل فج عمیق

تیری طرف دور دور سے لوگ تحائف لے کر آئیں گے۔ اور اس کثرت سے آئیں گے۔ کہ سڑکوں میں گڑھے پڑ جائیں گے۔ اس الہام کے پورا ہونے کا جو لطف ہم لوگ اٹھا سکتے ہیں۔ جنہوں نے پہلا نظارہ دیکھا ہؤا ہے۔ وہ لطف وہ لوگ نہیں اٹھا سکتے۔ جنہوں نے قادیان کو بھرپور ہونے کی صورت میں دیکھا۔ وہ لوگ جنہوں نے

قادیان کو ۱۹۰۱ء میں

دیکھا تھا۔ انہیں بھی اب بہت بڑا فرق محسوس ہوتا ہے۔ مگر ہمیں تو ۱۹۰۱ء کا قادیان بھی بہت آباد دکھائی دیتا تھا۔ پھر جنہوں نے ۱۹۰۸ء میں قادیان کو دیکھا۔ وہ بھی اپنے دل میں اسکی موجودہ حالت دیکھ کر

بہت بڑا فرق

محسوس کرتے ہیں۔ مگر ۱۹۰۸ء میں ہماری یہ کیفیت تھی۔ کہ ہم سمجھتے تھے۔ ہم ساری دنیا پر چھا گئے ہیں۔ اور اب تو قادیان بہت آباد شہر ہوگیا ہے۔ اسی طرح

۱۹۱۳ء میں قادیان

کی اور حالت تھی۔ ۱۹۱۴ء میں قادیان کی اور حالت ہو گئی۔ ۱۹۱۸ء میں اس نے اور زیادہ ترقی کی۔ اور ۱۹۲۰ء میں اسکی آبادی میں اور زیادہ اضافہ ہوگیا۔ حتیٰ کہ بعض وہ لوگ جنہوں نے

میری خلافت کے ایام میں

ہی قادیان کو دیکھا تھا۔ جب وہ پانچ سات سال تک قادیان میں نہ آئے۔ اور اس کے بعد انہیں قادیان کو دیکھنے کا موقعہ ملا۔ تو انہوں نے ذکر کیا۔ کہ پانچ سات سال کے بعد آکر ہم نے قادیان کو پہچانا نہیں۔ یہ کیسا

عظیم الشان نشان

ہے۔ جو احمدیت کی صداقت کے متعلق خدا تعالیٰ نے ظاہر کیا۔ بے وقوف لوگ کہتے ہیں۔ کہ دنیا میں بعض اور شہر بھی بڑھ جاتے ہیں۔ حالانکہ ان شہروں کے بڑھنے کی وجوہات ہوتی ہیں۔ مگر قادیان کے بڑھنے کی وہ وجوہات نہیں تھیں۔ بے شک اب ہوتی جائیں گی۔ کیونکہ خدا نے آخر قادیان کو ہمیشہ ان باتوں سے محروم نہیں رکھنا یہاں بھی تجارتیں ہوں گی۔ اور نئے سے نئے کارخانے کھلتے چلے جائیں گے۔ مگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ابتدائے دعوے سے لیکر آج سے دو تین سال پہلے تک

قادیان کی ترقی

کا کوئی مادی ذریعہ نہیں تھا۔ مگر پھر بھی خدا نے اسے بڑھا کر دکھا دیا۔ اور اس طرح ثابت کر دیا۔ کہ احمدیت اس کے ہاتھ کا لگایا ہؤا پودا ہے۔ اسی طرح قادیان میں جو مختلف قوموں کے افراد کے آپس میں پیوند لگتے ہیں۔ وہ بھی اپنی ذات میں خدا تعالیٰ کا ایک بہت بڑا نشان ہیں۔ شاید قادیان میں جتنے نکاح مختلف قوموں اور مختلف علاقوں کے لوگوں کے آپس میں ہوتے ہیں۔ حالانکہ قادیان کی آبادی صرف دس ہزار ہے۔ اتنے نکاح مختلف علاقوں اور مختلف قوموں کے لوگوں کے درمیان شاید لاہور جیسے شہر میں بھی نہیں ہوتے ہوں گے۔ جس کی آبادی پانچ لاکھ کے قریب ہے۔ یہ

ایک بہت بڑا نشان

ہے۔ جس کو ہم اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں۔ جب تک اس زمانہ کے لوگ زندہ رہیں گے۔ ان نشانات کو تازہ رکھیں گے۔ مگر بعد میں آنے والے ان نشانات کو صرف کتابوں میں پڑھیں گے۔ اور کتابوں میں پڑھ کر وہ لطف نہیں اٹھا سکیں گے۔ جو ہم اٹھاتے ہیں۔ ہم

کتابوں میں

ہمیشہ پڑھتے ہیں۔ کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کفار نے یہ دکھ دیا۔ وہ دکھ دیا۔ اور پھر ان دکھوں کے بعد خدا تعالیٰ نے کفار کو اس اس رنگ میں اپنے عذاب کا نشانہ بنایا۔ مگر اس کا ہمیں وہ لطف نہیں آسکتا۔ جو حضرت ابوبکرؓ اور دوسرے صحابہؓ کو آیا کرتا تھا۔ اور نہ اگلی نسل کو وہ لطف آسکتا ہے۔ جو آج ہمیں اللہ تعالیٰ کے نشانات دیکھ کر آتا ہے۔ آئندہ آنے والے اپنے

دل کو تسلی دینے کے لئے

ہزار خیال کر لیا کرتے ہیں۔ مگر اتنی گری ہوئی حالت تو نہیں ہو سکتی تھی۔

بہرحال جو دیکھنے والے ہیں۔ وہ جانتے ہیں۔ کہ ہم میں سے کوئی یوپی کا باشندہ ہوتا ہے۔ کوئی سی۔ پی اور بنگال کا رہنے والا ہوتا ہے۔ کوئی سرحد میں رہتا ہے۔ کوئی سندھ میں رہتا ہے۔ کوئی پنجاب میں رہتا ہے۔ اور پھر ان کے آپس میں احمدیت کے ذریعہ اس طرح جوڑ ملتے ہیں۔ کہ وہ دونوں ایک چیز ہو کر رہ جاتے ہیں۔ بعض دفعہ عادات میں فرق ہوتا ہے۔ بعض دفعہ رسم و رواج میں فرق ہوتا ہے۔ بعض دفعہ تمدن میں فرق ہوتا ہے۔ بعض دفعہ زبان میں فرق ہوتا ہے۔ مگر پھر بھی ان کے

آپس میں نکاح

ہو جاتے ہیں۔ ہم نے قادیان میں ٹھیٹھ پنجابیوں کو ٹھیٹھ ہندوستانیوں سے بیاہ کرتے دیکھا ہے۔ ہم نے قادیان میں ایسا بھی دیکھا ہے۔ کہ بیوی اردو کا ایک لفظ نہیں بول سکتی۔ اور خاوند پنجابی کا کوئی لفظ نہیں سمجھ سکتا۔ ہم نے

قادیان میں

خاوند کو پشتو میں بڑبڑاتے ہوئے اور بیوی کو اردو میں چہچہاتے ہوئے دیکھا ہے۔ پھر ایسا بھی دیکھا ہے۔ کہ بیوی کا سارا دن منہ چلتا رہتا ہے۔ اور میاں نے عمر بھر کبھی پان نہیں کھایا ہوتا۔ یہ نظارے ہم نے قادیان میں اکثر دیکھے ہیں۔ (الفضل)

الحق راولپنڈی

کچھ عرصہ سے راولپنڈی سے ایک عیسائی اخبار زیر ادارت چودھری عنایت اللہ صاحب مجاہد شائع ہونا شروع ہؤا۔ یہ صاحب نو عیسائی ہیں۔ اور اس امر کے دعویدار ہیں۔ کہ وہ پہلے کسی وقت احمدی تھے۔ اور اب یسوع مسیح کی مہربانی سے ان کو راستی اور حقیقت مل گئی ہے۔ وہ پہلے پرچہ سے ہی احمدیت پر نظر عنایت فرما رہے ہیں۔ اور ایسا ہونا بھی چاہیئے۔ کیونکہ جب انسان اپنے کسی حلقہ کو چھوڑ کر جاتا ہے۔ تو اسے نئے دوستوں پر ایک اثر قائم کرنے کے لئے کچھ جدوجہد کرنی پڑتی ہے۔ اور جبتک وہ اپنے ان عزیزوں کو دل کھول کر برا بھلا نہ کہے۔ اس وقت تک دوسرے کیسے جان سکیں۔ کہ اس کے اندر اخلاص داخل ہوگیا ہے۔ ہمارے سامنے اس وقت الحق کا نمبر ۶ موجود ہے۔ جس میں اسی زبان میں احمدیت کو مخاطب کیا گیا ہے۔ جس زبان کی تعلیم پہلے دن سے مسیحی صاحبان کو دی جاتی ہے۔ اور یہی ایک چیز ہے۔ جس سے ان کی صحیح پہچان ہو سکتی ہے۔ کیونکہ بقول حضرت مسیح

درخت اپنے پھلوں سے پہچانا جاتا ہے

پس عیسائی محررین کی تحریریں نہایت آسانی سے شناخت میں آجاتی ہیں۔ یہ عیسائی مجاہد صاحب نے جس قسم کے کمزور اور بودے استدلال اپنے پرچے میں کئے ہیں۔ ان پر ایک مفصل ریویو ہم اگلے الحکم کے پرچے میں شائع کریں گے۔ الحکم کے حضرت مسیح موعود کے بازو ہوتے پر بھی مضحکہ اڑایا گیا ہے۔ اسوقت چونکہ الحکم لکھا جا چکا تھا۔ اور سوائے تھوڑی سی جگہ کے کوئی جگہ باقی نہ تھی۔ اسلئے الحق راولپنڈی کو میں الحکم کے ذریعے رسید دے رہا ہوں۔ انشاء اللہ اگلے نمبر میں ان کا حساب صاف کر دیا جائیگا۔

حضرت مولوی سید محمد سرور شاہ صاحب کی خدمت میں مبارکباد

گذشتہ پرچہ میں میں نے چند غم اور خوشی کی خبریں کے عنوان سے ایک شذرہ لکھا تھا۔ اس میں خوشی کی خبروں میں آخری خبر حضرت مولوی صاحب قبلہ کی دختر کے نکاح کی تقریب پر مبارکباد لکھی تھی۔ مگر افسوس جگہ کی قلت کی وجہ سے وہ حصہ طبع ہونے سے رہ گیا۔

حضرت مولوی سید محمد سرور شاہ صاحب ہمارے سلسلہ کے بہت بڑے عالم ہیں۔ اس وقت تقریباً جس قدر علماء خدمت سلسلہ میں لگے ہوئے ہیں۔ سب ان کے شاگرد ہیں۔ مجھ خاکسار کو بھی آپ کی شاگردی کا فخر حاصل ہے۔ ان کی خوشی ہماری اپنی خوشی ہے۔ گذشتہ ایام میں حضرت امیر المؤمنین ایدہ اللہ بنصرہ العزیز نے آپ کی صاحبزادی ناصرہ بیگم ادیب فاضل کا نکاح مولوی عبد الرحیم صاحب مولوی فاضل افغان سے پڑھا تھا۔ میں صدق دل سے حضرت مولوی صاحب اور ان کی بیگم صاحبہ کی خدمت میں مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ اور دعا کرتا ہوں۔ کہ اللہ تعالیٰ اس تعلق کو ہر طرح بابرکت فرمائے۔ آمین۔

جناب حافظ مختار احمد صاحب شاہجہانپوری

جناب حافظ مختار احمد صاحب شاہجہانپوری ہماری جماعت کے ایک ستون ہیں۔ بڑے عالم فاضل۔ ادیب۔ شاعر جنکی شاعری کا یہ عالم ہے۔ کہ ایک ہی مجلس میں کئی کئی سو شعر لکھ جاتے ہیں۔ بیجد آمد اور پھر فصاحت و بلاغت کے دریا بہا دیتے ہیں۔ انکی شاعری کوئی تخیلانہ بلند پروازی نہیں ہوتی۔ بلکہ حق اور حقیقت کی تائید کیلئے لکھتے ہیں۔ الغرض وہ بہت بڑے مجاہد ہیں۔ ایک عرصہ سے وہ علیل چلے جا رہے ہیں۔ اور اب طبیعت زیادہ علیل و کمزور ہے۔ احباب کو چاہیئے۔ کہ ایسے مرد مجاہد کی صحت و سلامتی کے لئے باقاعدہ دعا کرتے رہیں۔

سیرت المہدی کا ایک ورق

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے عشق کا کرشمہ

سولہ سترہ برس کی عمر میں تین ہزار اعتراضوں کو جمع کر دیا

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا لگاؤ بچپن ہی سے خدا تعالیٰ کی عبادت اور محبت رسول کی طرف تھا۔ نیز ان کا اکثر وقت قرآن کریم کی تلاوت میں گزرتا تھا۔ اگرچہ اس وقت ان کے خاندان کے لوگوں کو دین کی طرف کوئی توجہ نہ تھی۔ اور ان کا بڑا مشغلہ اس زمانہ میں کتوں کے ذریعے شکار تھا۔ میں نے بچپن میں خود اس نظارے کو دیکھا ہے۔ کہ بعض لوگ جو آپ کے خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ وہ جنگلی بلے وغیرہ کے شکار کے لئے نکلے۔ ان کے ساتھ متعدد کتے تھے۔ جو مختلف اقسام اور مختلف نسلوں سے تھے۔ ایک جماعت شکاریوں کی ساتھ تھی۔ جن میں سے بعض سانسی اور چوہڑے وغیرہ تھے۔ ان کا کام یہ تھا۔ کہ وہ کتوں کی ڈوریاں تھامے ہوئے تھے۔ اور جب کسی گنے کو شکار ڈالا جاتا۔ تو وہ اپنی آوازوں سے ایک ہنگامہ برپا کر دیتے تھے۔ اور اس طرح یہ شکاری ایک درخت سے دوسرے درخت پر اور ایک کھیت سے دوسرے کھیت میں بھاگے پھرتے تھے۔ یہ آخری وقتوں کا نظارہ ہے۔ جبکہ یہ مشغلے چراغ سحری کی طرح ٹمٹما رہے تھے۔

قادیان کے حالات لکھنے والے لوگوں نے لکھا ہے۔ کہ اس زمانے کا بڑا مشغلہ بٹیر بازی اور مرغ بازی تھا۔ اچھے اچھے سن رسیدہ اشخاص کے ہاتھ میں بٹیر ہوتے تھے۔ جہاں ان کی پالیاں لڑائی جاتی تھیں۔ اور یہ مشغلے عام طور پر ان لوگوں کے ہوتے ہیں۔ جن کی زندگی کا کوئی مقصد نہیں ہوتا۔ یہ نظارہ بھی دھندلی شان میں میری آنکھوں نے دیکھا ہے۔ ایسے زمانے میں جبکہ قادیان کے امراء اور عوام۔ بڑے اور چھوٹے اس قسم کی ذلیل زندگی میں منہمک تھے۔ جس کا کوئی مقصد ہی نہ تھا۔ فضاء مسموم تھی۔ اس وقت حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنے عنفوان شباب میں ایک ایسی زندگی بسر کر رہے تھے۔ گویا کہ ان کا اس فضاء سے کوئی تعلق ہی نہیں تھا۔ خان بہادر میرزا سلطان احمد صاحب کی ایک روایت حیات النبی جلد دوم صفحہ ۱۰۸ میں چھپی ہوئی موجود ہے کہ:۔

آپ کے پاس ایک قرآن مجید تھا۔ اسکو پڑھتے اور اس پر نشان کرتے رہتے تھے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں بلا مبالغہ کہہ سکتا ہوں۔ کہ شاید دس ہزار مرتبہ اس کو پڑھا ہو۔

حضرت نانی اماں صاحبہ کی ایک روایت سیرت المہدی میں ہے کہ وہ ایک دفعہ حضرت میر ناصر نواب صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ قادیان میں بغرض طبی مشورہ آئی تھیں۔ تو اس وقت انہوں نے دیکھا۔ کہ حضرت صاحب ایک کمرے میں الگ بیٹھے ہوئے رحل پر قرآن شریف رکھ کر پڑھ رہے تھے۔ میں نے گھر والوں سے پوچھا۔ کہ یہ کون ہے۔ تو انہوں نے کہا۔ کہ یہ میرزا صاحب (یعنی میرزا غلام مرتضیٰ صاحب) کا چھوٹا لڑکا ہے۔ اور بالکل ولی آدمی ہے۔ قرآن ہی پڑھتا رہتا ہے۔ (سیرۃ المہدی صفحہ ۲۰۲)

ایک اور روایت ہے کہ آپ جب کبھی سفر پر جاتے۔ تو سواری میں بیٹھ کر قرآن شریف کھول کر سامنے رکھ لیتے۔ اور قادیان سے بٹالہ تک ایک ہی صفحہ کھلا رہتا۔

یہ محبت قرآن کریم سے ایسی تھی۔ کہ جس کی مثال نہیں ملتی۔ اور قرآن کریم کو دیکھ کر آپ پر ایک وجد کی سی کیفیت طاری ہو جاتی تھی۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں ؎

دل میں یہی ہے ہر دم تیرا صحیفہ چوموں
قرآں کے گرد گھوموں کعبہ میرا یہی ہے

اس سے اس عشق اور اس والہانہ کیفیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ جو آپ کے اندر موجزن تھی۔ اس حالت میں جبکہ آپ کی تمام تر توجہ مذہب کی طرف تھی۔ آپ کے قلب میں ایک اور تحریک پیدا ہوئی۔ اور وہ یہ کہ ان اعتراضات کو جانچا جائے۔ جو عیسائیوں کی طرف سے اسلام اور رسول پاک صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذات پر لگائے جاتے ہیں۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں

کہ میں سولہ سترہ برس کی عمر سے عیسائیوں کی کتابیں پڑھتا ہوں۔ اور ان کے اعتراضوں پر غور کرتا رہا ہوں میں نے اپنی جگہ ان اعتراضوں کو جمع کیا ہے۔ جو عیسائی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر کرتے ہیں۔ ان کی تعداد تین ہزار کے قریب پہنچی ہوئی ہے۔

گویا کہ یہ ۱۸۵۰ء کی بات ہے۔ اس لحاظ سے تقریباً آج سے نوے سال قبل کا واقعہ ہے۔ کہ آپ کا درد مند دل اس تکلیف کو محسوس کر رہا تھا۔ کہ دشمنان اسلام کس بے دردی کے ساتھ اسلام پر اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر حملے کر رہے ہیں۔ آپ نے اس تکلیف کو دیکھا اور محسوس کیا۔ اور آپ نے ان اعتراضوں کو ایک جگہ جمع کرنے کی تکلیف گوارا فرمائی۔ اور ان پر غور فرمایا۔ اس سے اس محبت اور عشق کا بھی پتہ چلتا ہے۔ جو آپ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذات مبارک سے تھا۔ آپ کی بعد کی تصانیف اور عیسائیت کے متعلق پر شوکت علمی تحدیاں سب اس حالت کرب کا نتیجہ تھیں۔ جو ان کتابوں کو پڑھنے اور ان اعتراضات کو جمع کرتے ہوئے آپ کو برداشت کرنی پڑیں۔ معلوم نہیں اس حالت اضطراب میں آپ نے کیسی کیسی دعائیں اسلام کے لئے کی ہوں گی۔ اور کس قدر درود اپنے آقا محمد صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر بھیجا ہوگا۔ اس کا اندازہ اس ایک امر سے ہی لگ سکتا ہے۔ کہ آپ کے قلب کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے اس قدر شدید مناسبت اور اس قدر قرب حاصل تھا کہ ؎

من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جاں شدی
تاکس نہ گوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

کا مصداق ہو گئے۔ آپ میں اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں کوئی جدائی نہ رہی۔ خان بہادر میرزا سلطان احمد صاحب مرحوم نے اپنی روایت میں بیان کیا۔ کہ

ایک بات میں نے خاص طور پر دیکھی ہے۔ کہ حضرت صاحب (یعنی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم) کے متعلق ذرا سی بات بھی برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ اگر کوئی شخص آنحضرت صلعم کی شان میں ذرا سی بات بھی کہتا تھا۔ تو والد صاحب کا چہرہ سرخ ہو جاتا تھا۔ اور آنکھیں متغیر ہو جاتی تھیں۔ اور فوراً ایسی مجلس سے اٹھ کر چلے جاتے تھے۔

میرزا صاحب نے بار بار اس مضمون کو دہرایا۔ اور کہا۔ کہ حضرت صاحب سے تو بس والد صاحب کو عشق تھا ایسا عشق میں نے کبھی کسی شخص میں نہیں دیکھا۔

(سیرت المہدی حصہ اول صفحہ ۲۰۰)

چنانچہ آپ خود اس امر کی یوں تائید فرماتے ہیں کہ ؎

بعد از خدا بعشق محمد مخمرم
گر کفر ایں بود بخدا سخت کافرم

ایک دوسری جگہ فرماتے ہیں ؎

در رہِ عشق محمدؐ ایں سر و جانم رود
ایں تمنا ایں دعا ایں در دلم عزم صمیم

سبحان اللہ! کیا عشق رسول کریم تھا۔

میرزا سلطان احمدؐ جیسا انسان جو ہندوستان اور بلاد اسلامیہ اور یورپ کی سیاحت کر چکا تھا۔ پختہ کار ادیب۔ مصنف۔ شاعر۔ فلاسفر دنیا کے ہر قسم کے گھاٹوں پر گزر چکنے والا انسان جب یہ کہتا ہے۔ کہ

میں نے ایسا عشق کسی انسان میں نہیں دیکھا

تو یاد رکھو وہ عشق کے تمام مدارج اور تمام کیفیات کو سامنے رکھ کر کہتا ہے۔ ان کے منہ سے نکلی ہوئی بات ایک ایسے انسان کی بات نہیں۔ جو بغیر سوچے سمجھے ایک بات کہہ گزرتا ہے۔ پس جب انہوں نے یہ کہا۔ کہ

ایسا عشق تو میں نے کسی انسان میں نہیں دیکھا

تو انہوں نے اس کیفیت کا بالکل صحیح نقشہ کھینچا ہے۔ جو آپ کے قلب میں موجزن تھی۔ چنانچہ اسی عشق کے متعلق آپ فرماتے ہیں

در کوئے تو اگر سر عشاق را زنند
اول کسیکہ لاف تعشق زند منم

یہ ایک حقیقت ہے۔ کہ اس زمانہ میں آپ سے بڑھ کر کوئی بھی اللہ تعالیٰ اور رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے محبت کرنے والا نہ تھا۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں ؎

تیری الفت سے ہے معمور میرا ہر ذرہ
اپنے سینے میں یہ اک شہر بسایا ہم نے

آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے آپ کی محبت کی ایک مثال اور پیش کرتا ہوں۔ کہ آپ کو حضرت مولوی نور الدین صاحب خلیفۃ المسیح اول رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بڑی محبت تھی۔ اور حضرت خلیفۃ المسیح اول رضؓ بھی آپ کے ساتھ اسی مقام پر کھڑے تھے۔ جس مقام پر حضرت ابوبکر صدیق رضؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لئے کھڑے تھے۔ اور آپ کو الہاماً فرمایا گیا تھا۔ ؎

چہ خوش بودے اگر ہر یک ز امت نور دیں بودے

مگر دسمبر ۱۹۰۷ء میں آریہ سماج وچھوو والی نے ایک

جلسہ کیا۔ اس جلسہ میں آریہ سماج کی درخواست پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بھی ایک مضمون لکھ کر بھیجا۔ اور چند آدمی حضرت خلیفہ اول رضؓ کی امارت میں وہاں گئے۔ مگر آریوں نے خلاف وعدہ اپنے مضمون میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق سخت بدزبانی سے کام لیا۔ اس کی رپورٹ جب حضرت صاحب کو پہنچی۔ تو حضرت صاحب اپنی جماعت پر سخت ناراض ہوئے۔ کہ ہماری جماعت کے لوگ اس مجلس سے کیوں نہ اٹھ آئے۔ اور فرمایا۔ کہ یہ پرلے درجہ کی بے غیرتی ہے۔ کہ آنحضرت صلعم کو ایک مجلس میں بُرا کہا جاوے۔ اور ایک مسلمان وہاں بیٹھا رہے۔ اور غصہ سے آپ کا چہرہ سرخ ہو گیا اس وقت حضرت مولوی صاحب سر نیچے ڈالے بیٹھے تھے۔

(سیرت المہدی صفحہ ۲۰۱)

رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقابلہ میں ایک سہو یا غفلت پر حضرت مولوی نور الدین صاحب رضؓ جیسے انسان کی بھی آپ نے پروا نہ کی۔ اگر کوئی دنیا دار یا معمولیہ باز انسان ہوتا۔ تو وہ مولوی صاحب جیسے رفیع المنزلت صاحب علم اور صاحب اخلاص انسان کے سہو یا غفلت پر اتنا شدید نوٹس نہ لیتا۔ مگر حضور کی سچائی کی یہ بھی ایک کھلی دلیل ہے۔ کہ آپ حق کے مقابلے میں کسی بڑے سے بڑے انسان کی بھی پروا نہ کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ آسمان سے فرشتوں کی شہادت نازل ہوتی۔ کہ ھذا رجل یحب رسول اللہ

اسی زمانہ کے قریب۔

اس محبت کی وجہ سے جو آپ کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تھی۔ اور اس قرب کی وجہ سے جو آپ کو حاصل ہو چکا تھا۔ ۱۸۶۴ء یا ۱۸۶۵ء میں آپ نے ایک رؤیا صادقہ دیکھا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پرتو آپ پر اس حد تک پڑ چکا تھا کہ آپ آنحضرتؐ کے بروز بنائے جانے کیلئے منتخب کر دیئے گئے تھے۔

تحریر فرمایا: "اسی احقر نے ۱۸۶۴ء یا ۱۸۶۵ء میں یعنی اسی زمانہ کے قریب کہ جب یہ ضعیف اپنی عمر کے پہلے حصہ میں ہنوز تحصیل علم میں مشغول تھا۔ جناب خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا۔ اور اس وقت اس عاجز کے ہاتھ میں ایک دینی کتاب تھی۔ کہ جو خود اس عاجز کی تالیف معلوم ہوتی تھی۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کتاب کو دیکھ کر عربی زبان میں پوچھا۔ کہ تُو نے اس کتاب کا کیا نام رکھا ہے۔ خاکسار نے عرض کیا۔ کہ اس کتاب کا نام میں نے قطبی رکھا ہے۔ جس نام کی تعبیر اب اس اشتہاری کتاب کے تالیف ہونے پر یہ کھلی۔ کہ وہ ایسی کتاب ہے۔ کہ جو قطب ستارہ کی طرح غیر متزلزل اور مستحکم ہے۔ جس کے کامل استحکام کو پیش کر کے دس ہزار روپیہ کا اشتہار دیا گیا ہے۔

غرض آنحضرت نے وہ کتاب مجھ سے لے لی۔ اور جب وہ کتاب حضرت مقدس نبوی کے ہاتھ میں آئی۔ تو آنجناب کا ہاتھ لگتے ہی ایک نہایت خوش رنگ اور خوبصورت میوہ بن گئی۔ کہ جو امرود سے مشابہ تھا۔ مگر بقدر تربوز تھا۔ آنحضرت نے جب اس میوہ کو تقسیم کرنے کے لئے قاش قاش کرنا چاہا۔ تو اس قدر اس میں سے شہد نکلا۔ کہ آنجناب کا ہاتھ مبارک مرفق تک شہد سے بھر گیا۔ تب ایک مردہ جو دروازہ سے باہر پڑا تھا آنحضرت کے معجزہ سے زندہ ہو کر اس عاجز کے پیچھے آ کھڑا ہوا۔ اور یہ عاجز آنحضرت کے سامنے کھڑا تھا۔ جیسے ایک مستغیث حاکم کے سامنے کھڑا ہوتا ہے۔ اور آنحضرت بڑے جاہ و جلال اور حاکمانہ شان سے ایک زبردست پہلوان کی طرح کرسی پر جلوس فرما رہے تھے۔ پھر خلاصہ کلام یہ کہ ایک قاش آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ کو اس غرض سے دی۔ کہ تا میں اس شخص کو دوں۔ کہ جو نئے سرے سے زندہ ہوا۔ اور باقی تمام قاشیں میرے دامن میں ڈال دیں۔ اور وہ ایک قاش میں نے اس نئے زندہ کو دے دی۔ اور اس نے وہیں کھا لی۔ اور پھر جب وہ نیا زندہ اپنی قاش کھا چکا۔ تو میں نے دیکھا۔ کہ آنحضرت صلعم کی کرسی مبارک اپنے پہلے مکان سے بہت ہی اونچی ہو گئی۔ اور جیسے آفتاب کی کرنیں چھوٹتی ہیں۔ ایسا ہی آنحضرت کی پیشانی مبارک متواتر چمکنے لگی۔ کہ جو دین اسلام کی تازگی اور ترقی کی طرف اشارت تھی۔ تب اسی نور کے مشاہدہ کرتے کرتے آنکھ کھل گئی۔ والحمد للہ علے ذالک۔ (تذکرہ صفحہ ۲ تا ۳)

اس کشف سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس زمانہ میں جبکہ آپ ابھی عنفوانِ شباب میں ہی تھے۔ اس شدید تعلق اور محبت کی وجہ سے جو آپ کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تھا۔ آنے والے دَور سے آگاہ کیا جا رہا تھا۔ آپ کو بتلایا جا رہا تھا۔ کہ تیرے ہاتھوں اسلام کا دَور جدید شروع ہوگا۔ تجھے ایسے دلائل اور براہین دیئے جائیں گے۔ جو قطب کی طرح منور اور راہنما ہوں گے۔ اور اپنی جگہ پر مستحکم اور غیر متزلزل ہوں گے۔ تیرے کاموں کی وجہ سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مقام بہت بلند ہو جائے گا۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا روئے منور آفتاب کی طرح ضیاء پاشی کرنے لگے گا۔ اور وہ تمام داغ دھبے جو عیسائی مصنفوں کے ذریعہ سے نظر آتے ہیں۔ سب دُور ہو جائیں گے۔

یہ سب کچھ آج ہم اپنی آنکھوں سے پورا ہوتا دیکھ رہے ہیں۔ اسلام کی ہر میدان میں فتح ہو رہی ہے۔ یورپ امریکہ میں خدا کے محبوب سید الانبیاء کی سیرت پر عیسائی اور سوسائٹی لیکچر دیتے ہیں۔ اور حضور کی خوبیوں کا اعتراف کرتے ہیں۔ گویا کہ ان کو آپ کے روئے منور کی نورانی کرنیں نظر آنے لگی ہیں۔ اسی یورپ میں جہاں انسان پرستی ہوتی تھی۔ اور جہاں سے اسلام کے مٹانے کے لئے روپیہ بھیجا جاتا تھا۔ آج ایسے لوگ پیدا ہو رہے ہیں۔ جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم پر روزانہ درود بھیجتے ہیں

پس

یہ سب کچھ انقلاب مسیح موعود علیہ السلام کی اس قلبی تڑپ کے سلسلہ میں ہوا۔ جو آپ کو بچپن ہی سے کھا رہی تھی۔ اور جس کے لئے آپ اس قدر بے قرار ہو کر خدا کے آستانہ پر گرتے تھے۔ کہ آپ کو تن بدن کی خبر نہ رہتی تھی۔ چنانچہ آپ خود فرماتے ہیں۔ ؎

شور کیسا ہے ترے کوچے میں لے جلدی خبر
خوں نہ ہو جائے کسی دیوانہ مجنوں وار کا

کوئی ہے جو میری آواز سُنے

میں الحکم کو زندہ رکھنے کیلئے جماعت کی مدد کا محتاج ہوں

الحکم ۱۸۹۷ء میں اس وقت نکلا۔ جبکہ جماعت بالکل ابتدائی حالت میں تھی۔ اور خطرہ تھا۔ کہ وہ زندہ نہ رہ سکے گا۔ مگر اس زمانے کے دوستوں نے الحکم کو اپنی غذائے روح قرار دے کر اس کا ایسا خیر مقدم کیا۔ کہ الحکم دن بدن ترقی کرتا چلا گیا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس اخبار کو اور اخبار بدر کو اپنے دو بازو قرار دیکر ان کو لافانی زندگی مرحمت فرما دی۔ اور یہ فخر کسی اور کو قیامت تک حاصل نہیں ہو سکتا۔ مشیت الہی نے ایسے سامان پیدا کر دیئے۔ کہ بدر تو ایک وقت تک اپنا کام سرانجام دے کر ختم ہو گیا۔ اور الحکم اب تک زندگی کی شاہراہ پر گامزن ہے۔ وہ چاہتا ہے۔ کہ وہ سلسلہ کی خدمت کرتا رہے۔ اور ابدالآباد تک زندہ رہے۔ مگر مشکلات اس کا دامن ایک بہت لمبے عرصے سے تھامے ہوئے ہیں۔ اپنے بقار کے لئے جس قدر جدوجہد الحکم کو کرنی پڑی ہے۔ اس کے لئے مجھے کسی وقت اپنی داستان غم کہنی پڑے گی۔ ہم نے ہر رنگ میں چاہا۔ کہ وہ خدمتگذار اور مجاہد پرچہ بند نہ ہو۔ اور اس کے لئے ہماری حالت یہاں تک بھی ہوئی۔ کہ ؎

بنا کر فقیروں کا ہم بھیس غالب
تماشائے اہلِ کرم دیکھتے ہیں

کا مصداق ہو گئے۔

ممکن ہے۔ کہ ایسے بھی لوگ ہوں۔ جو ہماری اس جدوجہد کا نام کچھ کا کچھ رکھیں۔ مگر خدا شاہد ہے۔ کہ ہم نے کبھی بھی اپنی ذاتی ضرورت کے لئے کسی کے سامنے دست سوال نہیں پھیلایا۔ الحکم قوم کی امانت ہے۔ وہ قوم کی خدمت کے لئے اس وقت بطور والنٹیر کے میدان میں آیا۔ جبکہ سلسلہ میں اور کوئی پرچہ نہ تھا۔ لوگوں کو لکھنے کی عادت نہ تھی۔ اور اس طرف کسی کو توجہ نہ تھی۔ دشمنان احمدیت چاروں طرف سے اپنے تیروں سے احمدیت پر حملہ آور ہو رہے تھے۔ اس وقت بے شک اس ضرورت کے وقت خدا کی مشیت الحکم کو معرضِ وجود میں لے آئی۔ اور اس نے ہر میدان میں اپنا سینہ دشمن کے تیروں کے سامنے رکھ دیا۔ حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ بنصرہ العزیز نے ۱۹۳۸ء کے جلسہ سالانہ پر ہزارہا انسانوں کے سامنے فرمایا:۔

"الحکم نے ابتدائی زمانے میں ایسی خدمت کی ہے۔ کہ جماعت اس کا بدلہ نہیں اتار سکتی"

اس اعتراف کے بعد کسی اور اعتراف کی کیا ضرورت ہے۔ اے قوم! میں تجھ سے الحکم کی خدمات کے بدلے کا مطالبہ نہیں کرتا۔ الحکم کے لئے یہی فخر کیا کم ہے۔ کہ وہ اس وقت میدان میں تھا۔ جبکہ تم میں ابھی ہزاروں خدا کے برگزیدہ مسیح موعودؑ کو بُرا بھلا کہہ رہے تھے۔ وہ اس وقت اپنا سینہ تانے کھڑا تھا۔ جبکہ ابھی تم نے اس کوچے کا رُخ بھی نہیں کیا تھا۔ وہ اس وقت آسمانی شہد اور روحانی مے کے مٹکے لنڈھا رہا تھا۔ جبکہ تم میں سے ہزاروں کو اس کوچہ کی خبر بھی نہ تھی۔ اس لئے وہ اپنا یہ فخر کسی بدلے کے صلہ میں فروخت نہیں کرنا چاہتا۔ ایڈیٹر الحکم حضرت عرفانی کبیر کی آنکھوں میں میں نے کئی دفعہ آبدار موتی سے جھلکتے دیکھے اور انہیں باوجود نثر یہ کہتے سنا۔ ؎

لوگ کہتے ہیں کہ نالائق نہیں ہوتا قبول
میں تو نالائق بھی ہو کر پا گیا درگاہ میں بار

وہ کیا کرتے ہیں۔ کہ کیا میرے لئے یہ کم فخر ہے۔ کہ مجھے اس دروازے کی چاکری ملی۔ اور میں کوئی خدمت بجا لا سکا۔ پھر وہ کہا کرتے ہیں۔ کہ میرے اندر تو کوئی قابلیت نہ تھی۔ کوئی علم نہ تھا۔ کوئی ہنر نہ تھا۔ یہ تو صرف میرے مولیٰ کا ایک فضل ہے۔ کہ اس نے میرے جیسے ناچیز سے الحکم کے ذریعے خدمت لے لی۔

پس

الحکم کا ایڈیٹر اور اس کا خاندان اس فخر کو کسی قیمت پر بیچنے کے لئے تیار نہیں۔ لیکن ایک چیز ہے۔ کہ جس کے لئے ہم بیقرار ہیں۔ اور وہ الحکم کے وجود کا بقار ہے۔ جہاں تک ہماری محنت اور کوشش کا تعلق ہے۔ میں کہہ سکتا ہوں۔ کہ الحکم کی زندگی کے لئے میں نے اپنی زندگی کی بازی لگا دی۔ میں نے الحکم کو ایسے حالات میں بھی لکھا ہے۔ کہ جب میں اٹھ کر بیٹھ نہیں سکتا تھا۔ تکیہ پر سر لگا کر ذرا گردن اونچی کر کے قلم ہاتھ میں لیکر گھنٹوں لکھتا رہا۔ اور اس محنت کے بدلے میں میری مرض نے مجھ پر ایسے شدید حملے

(بقیہ مضمون ملاحظہ فرمائیں صفحہ ۸ کالم نمبر ۳ پر)

قرآن کریم کے حقائق و معارف (۳)

سورہ یونس رکوع ۳ کی تفسیر

(مرتبہ حضرت عرفانی کبیر صاحب)

عام مطالب اس رکوع میں اللہ تعالےٰ نے حسب ذیل امور بیان فرمائے ہیں۔ انبیاء و رسل کی عام کامیابی کا ذکر کرنے کے بعد جو بطور استقرا آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی کامیابیوں کی بشارت ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی دعوت کا اعلان اور آپ کے مخالفوں پر اتمام حجت کیا گیا ہے۔ اور اس میں ان امور پر روشنی ڈالی ہے۔

اول۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی زندگی کا کیا مشن ہے؟ جو دین آپ لیکر آئے ہیں۔ اور جس کی طرف دعوت دیتے ہیں۔ کوئی چیز اس سے آپ کو ہٹا نہیں سکتی۔ یہ خارق عادت استقلال اور عزم بھی آپ کی صداقت کی دلیل ہے۔

دوم:۔ خدا تعالیٰ کی قوت، و قدرت کا مقابلہ کرنے والی کوئی چیز نہیں۔

سوم:۔ خدا تعالیٰ کی طرف سے الحق جو آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے ذریعہ آیا ہے۔ اسکی اتباع و اطاعت کا فائدہ ہر شخص کی اپنی ذات کے لئے ہے۔ اس میں بتایا ہے۔ کہ اس الحق کی اتباع کرنے والے بامراد ہوں گے۔ اور جو اسکی اتباع نہ کریں گے۔ وہ ہدایت سے محروم ہو کر نامراد رہیں گے۔ اور یہ امر بطور قول فیصل ہے۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی صداقت کی ایک زبردست دلیل ہے۔

یہ تین عظیم الشان امور ہیں۔ جو اس رکوع میں بیان ہوئے ہیں۔ ان کی تفصیل اس طرح پر ہے۔

قل یاایھا الناس الایۃ

کہہ دو۔ اے لوگو! اگر یہ سچ ہے۔ کہ تمہیں میرے دین کی وجہ سے شک ہے۔ (تو سن لو) کہ میں نہیں عبادت کرتا ان ہستیوں کی جن کی تم خدا تعالےٰ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو۔ بلکہ میں تو اللہ ہی کی عبادت کرتا ہوں۔ وہ اللہ جو تمہاری ارواح کو قبض کرتا ہے۔ اور مجھے حکم دیا گیا ہے۔ کہ میں مومنوں سے ہوں۔ اور مجھے اس بات کا حکم دیا ہے۔ کہ دائمی طور پر اپنی توجہ خدا کے لئے کر دے۔ ایسی حالت میں کہ تو حنیف ہو۔ اور کبھی مشرکوں میں سے نہ ہو اور اللہ کے سوا کسی ہستی کو مت پکار۔ (کیونکہ) وہ نہ تجھے نفع دیتی ہے۔ اور نہ نقصان پہنچا سکتی ہے۔ اور اگر تو ایسا کریگا۔ تو معاً تو مشرکین میں سے ہو جائے گا۔

ان آیات میں آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہٖ وسلم اپنے منصب اور مشن زندگی کا اعلان کرتے ہیں۔ اور مشرکوں اور مومنوں کے درمیان ایک حد فاصل اور امتیاز قائم کرکے بتاتے ہیں۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کا دائرہ دعوت اس آیت میں پہلی بات یہ قابل غور ہے۔ کہ آپ کا خطاب الناس سے ہے۔ کوئی خاص قوم خاص ملک آپ کا مخاطب نہیں۔ بلکہ نوع انسان مخاطب ہے۔ اس لئے کہ آپ کا دائرہ دعوت کل نسل انسانی کے لئے ہے۔ اور یہ قرآن مجید کے دوسرے مقام پر صراحت سے بیان کیا گیا ہے۔ جہاں فرمایا۔ قل یاایھا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعًا۔ الناس کو خطاب آپ کی دعوت کی عالمگیری اور ابدیت کی دلیل ہے۔

پھر آپ اپنے مشن اور دین کی تصریح فرماتے ہیں۔ کہ میرا مذہب تمہارے دین سے جدا ہے۔ میرا مذہب یہ ہے۔ کہ میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی ہستی، وجود یا طاقت کی عبادت نہ کروں اور مشرک خدا تعالیٰ کو چھوڑ کر مختلف چیزوں کی عبادت کرتے ہیں۔ میں جس اللہ کی عبادت کرتا ہوں۔ وہ صفات کاملہ سے موصوف ہے۔ اور وہ وہ ہے

جو تمہیں وفات دیتا ہے

اور اس اللہ کی عبادت کا نتیجہ یہ ہے۔ کہ میں مومن ہوں۔ خود امن میں ہوں۔ اور دوسروں کے امن کا موجب۔ ان الفاظ کے اندر آپ کی کامیابی کی متحدیانہ پیشگوئیاں ہیں۔ یعنی میرے ذریعہ ہی حقیقی امن قائم ہوگا۔ چنانچہ عرب کی تمام خانہ جنگیاں دور ہو کر امن قائم ہو گیا۔ اور آخر

ایک ہی اللہ کی عبادت ہونے لگی

دوسری بات میرے مشن زندگی میں یہ داخل ہے۔ کہ میں اپنی تمام تر توجہ خواہ وقت کے لحاظ سے ہو۔ خواہ کیفیت کے لحاظ سے خدا ہی کی طرف رکھوں۔ اور اس دین کی اشاعت و تبلیغ میں پوری طاقت اور قوت کے ساتھ یکسو ہو کر گُسار ہوں۔ یعنی خدا تعالیٰ کی عبادت کو قائم کرنا اور شرک کو دنیا سے مٹانا میرا مشن ہے۔ اور اس میں کسی قسم کی غفلت اور سہل انگاری نہ کروں۔ چنانچہ آپ نے کبھی اس نصب العین کو نہیں چھوڑا۔

تیسری بات یہ کہ کبھی مشرکوں میں سے نہ بنوں۔

چہارم صراحت کے ساتھ بتایا۔ کہ مشرک جن چیزوں کی عبادت کرتے ہیں۔ وہ نہ ان کو نفع دے سکتی ہیں۔ نہ ضرر۔ اس لئے میں ان کی عبادت نہ کرنے پر مامور ہوں۔ اور اگر میں اسکی خلاف ورزی کروں۔ تو مشرکوں میں سے ہو جاؤں۔

یہ آیت بیک وقت آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی پاک زندگی پر بھی دلیل ہے۔ اس میں خصوصیت، اسلام کو واضح کیا گیا ہے۔ کہ وہ اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کی تعلیم دیتا ہے۔ اور اسی مقصد کو دنیا میں قائم کرنا آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کا فرض منصبی تھا۔ اور پھر غیروں سے کسی قسم کی توقع اور خوف کو اس طرح پر دور کر دیا۔ کہ آپؐ کو بتایا گیا۔ کہ کوئی چیز نہ نفع دیتی ہے نہ ضرر۔ حقیقت میں یہ قدرت اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔ اسی کا فضل ہو۔ تو کوئی چیز نافع ہو سکتی ہے۔ اور وہی نہ چاہے تو وہی چیز مضر ہو جاتی ہے۔ مثلاً ہوا ہے۔ یہ باد حیات ہے۔ لیکن اگر منشاء الٰہی نہ ہو۔ تو آکسیجن جیسی چیز مضر ہو جاتی ہے۔ اور خدا تعالیٰ کی قدرت کاملہ اور تصرف تامہ کا اظہار اس طرح فرمایا۔ کہ

ان یمسسک اللہ بضر الایۃ۔

اگر اللہ تعالےٰ تجھ کو کوئی نقصان پہنچائے۔ تو کوئی اس کو کھولنے والا نہیں۔ اور اگر تجھے کوئی نفع پہنچائے۔ تو کون اس کے فضل کو روک سکتا ہے۔ (سچ یہی ہے) کہ اس کا فضل پہنچ جاتا ہے۔ جس کے لئے وہ اپنے بندوں سے چاہتا ہے۔ اور وہ غفور الرحیم ہے۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہٖ وسلم اسی آیت میں اس فضل کا ذکر کر رہے ہیں۔ جو آپ پر ہوا ہے۔ اور منکروں پر اتمام حجت فرما رہے ہیں۔ کہ دیکھو یہی قرآن کریم ہے۔ تم اس کے متعلق شک و شبہ میں گرفتار رہو۔ اور میں اطمینان کامل اور معرفت کے نور سے روشن ہوں۔ اسلئے میں اللہ تعالےٰ کے سوا کسی اور کو مان ہی نہیں سکتا۔ میں اس تعلیم پر قائم ہوں اور مجھے خدا تعالےٰ نے بتا دیا ہے۔ کہ نفع و ضرر اسی کے قبضہ میں ہے۔ پھر میں کیونکر مان لوں۔ کہ قرآن کریم تمہارے دلوں میں شک پیدا کرتا ہے۔ یہ تو شکوک کو دور کرتا ہے۔ اور اسکی تعلیم اور ہدایت بینات اور حق پر مبنی ہے۔ یہ تمہارا اپنا قصور ہے۔ میرے دل میں جو یقین کامل ہے۔ یہ قرآن کریم ہی نے پیدا کیا ہے۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر اس سے روشنی پڑتی ہے۔ آپ کا عزم بالجزم ہمت بلند دنیا اور اسکی تمام چیزوں سے استغناء کلی یہ مختلف شانیں اس سے ظاہر ہوتی ہیں۔ پھر یہ بتایا ہے۔ کہ جو مطالبہ اس کتاب میں کیا گیا ہے۔ وہ حق ہے۔ اٹل ہے ہو کر رہے گا۔ اور یہ حق

جاءکم الحق من ربکم

تمہارے رب کی طرف سے آیا ہے۔ ربوبیت کا اقتضا ہے۔ کہ اس کو درجہ کمال تک پہنچائے۔ ایک تو خود حق کی شان ہے۔ کہ وہ اٹل ہوتا ہے۔ دوسرے ربوبیت اس کی مربی ہے۔ یہ ہو کر رہے گا۔ اور اپنے کمال شان سے جلوہ گر ہوگا۔ جو مانے گا وہ بامراد ہوگا۔ اور جو انکار کریں گے۔ وہ اس کا نتیجہ بھگتیں گے۔

کوئی پا جائیگا عزت کوئی رسوا ہوگا

کا مضمون مشاہدہ ہوگا۔

یہ اعلان کرنے کے بعد آپ نے فرمایا۔ کہ خدا تعالےٰ نے مجھے نبی بنا کر بھیجا ہے۔ وکیل بنا کر۔ میری ذمہ واری تبلیغ تک محدود ہے۔

بالآخر اللہ تعالےٰ آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کو بشارت دیتا ہے۔ اور اس بشارت کے ذریعہ منکرین مشرکین پر اتمام حجت فرماتا ہے۔

واتبع مایوحیٰ الیک الایۃ

اے محمد (صلے اللہ علیہ و آلہٖ وسلم) جو وحی تیری طرف نازل کی ہے۔ تو اسی کی اتباع کرتا رہ۔ اور مستقل مزاجی اور ہمت بلند سے اپنی جگہ پر قائم رہو۔ (یعنی اسی تبلیغ میں لگے رہو) یہاں تک کہ خدائی فیصلہ کا وقت آجائے۔ اور خدا تعالےٰ فیصلہ نافذ کردے۔ اور اسی کے فیصلے خیر و برکت کا موجب ہوتے ہیں۔

اسی آیت میں عظیم الشان پیشگوئی آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی کامیابی کی ہے۔ اور یہ ظاہر ہے۔ کہ یہ مکی زندگی میں کی گئی۔ جو دکھوں اور تکلیفوں کی زندگی تھی۔ اور شدت مخالفت کا ظہور ہو رہا تھا۔ آخر وہی ہوا۔ جو خدا تعالےٰ نے فرمایا تھا۔ کہ

آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کامیاب ہو گئے

اللّٰھم صلّ علی محمد و اٰل محمد و بارک وسلم

چندہ جلسہ سالانہ کی ادائیگی کیطرف فوری توجہ کی ضرورت

امسال چندہ جلسہ سالانہ کا بجٹ ۴۲۰۰۰ مقرر کیا گیا ہے۔ لیکن گذشتہ ماہ اگست کے آخر تک صرف ۲۳۴۱ روپیہ کی وصولی ہوئی ہے۔ جو کہ بجٹ کے لحاظ سے بہت کم ہے۔ لہذا تمام عہدہ داران جماعت ہائے احمدیہ کو چاہیئے۔ کہ اس چندہ کی فراہمی میں زیادہ تندہی سے کوشش فرمائیں۔ تاکہ جلسہ کے موقعہ پر بہت زور دینے کی ضرورت نہ پڑے۔ (ناظر بیت المال قادیان)

مذاکرہ علمیہ

حضرت بابا نانک صاحب رح اور اسلام میں نبوت

دنیا میں جس قدر بھی مذاہب پائے جاتے ہیں۔ ان میں کسی نہ کسی رنگ میں "ختم نبوة" کا عقیدہ پایا جاتا ہے۔ قرآن شریف سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی قوم نے انکی وفات کے بعد یہ عقیدہ بنا لیا تھا۔ کہ اب ان کے بعد اللہ کی طرف سے کوئی رسول مبعوث نہیں ہوگا۔ (سورہ مومن ع ۴) یہودیوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نبوت ختم کر دی۔ اور اس بات پر جمع ہو گئے کہ موسیٰ ع کے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔ (مسلم الثبوت) عیسائی قوم حضرت مسیح علیہ السلام کے بعد کسی اور نبی کی ضرورت ہی نہیں سمجھتی۔ سناتن دھرمی ہندو صاحبان سری رام چندر جی اور سری کرشن ع کو آخری اوتار یقین کرتے ہیں۔ اور ان کے بعد کسی نئے اوتار کی آمد کے قائل نہیں۔ (نرنکاری صہ ۶۲) آریہ سماجی ویدوں کے بعد آنے والے تمام اوتاروں اور رسولوں اور ان کے قائم کردہ مذاہب کو جھوٹا سمجھتے ہیں۔ (ستیارتھ پرکاش صہ ۵۱۲) سکھ صاحبان کہتے ہیں:۔

"ہم صرف گورو گرنتھ صاحب کو جو خدا کی تحریک پر گورو صاحبان کی زبان سے نکلا۔ آخری کتاب اور گورو صاحبان کو آخری اوتار یعنی آخری پیغمبر مانتے ہیں"۔ (گورمت سدھاکر مصنفہ سردار کاہن سنگھ صاحب صہ ۲۱)

ہمارے مسلمان بھائی جن کا کام دنیا کے غلط عقاید کی اصلاح کرنا تھا۔ اسی رو میں بہ گئے۔ اور انہوں نے بھی حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد ہر قسم کی نبوت کا سلسلہ بند سمجھ لیا۔ سکھوں کے مشہور عالم گیانی شیر سنگھ صاحب نے اس ختم نبوت کے مسئلہ پر مندرجہ ذیل الفاظ میں روشنی ڈالی ہے:۔

"مسلمان بھائیوں کا یہ عام خیال ہے۔ کہ حضرت محمد صاحب (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بعد خدا کا پیغمبر کوئی نہیں ہوگا۔ لیکن گیانی جانتا ہے۔ کہ خدا کے گھر کا اپدیش بہت لوگوں نے دیا۔ اور بہت سے دیں گے۔ (سنت نیم "مترجم گورمکھی صہ ۱۷۴)

گیانی صاحب کے نزدیک "ختم نبوت" یا "ختم گوریائی" کے عقیدہ کی بنیاد اگیان (جہالت) پر ہے۔ کیونکہ گیانی لوگ جانتے ہیں۔ کہ یہ سلسلہ بند نہیں ہو سکتا۔ قرآن شریف میں بھی اس عقیدہ سے متعلق "کذالک یضل اللہ من ھو مسرف مرتاب" فرمایا گیا ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے غیر مذاہب پر اسلام کی فضیلت ثابت کرنے کے لئے سب سے بڑی اور زبردست دلیل یہ پیش کی ہے۔ اسلام ایک زندہ مذہب ہے۔ اور اسکی زندگی کے اثبات میں نبوت کا جاری ہونا بتایا ہے۔ گویا دیگر مذاہب جس چیز کو بند کرتے ہیں۔ اسلام اس کو اپنے متبعین کے لئے کھولتا ہے۔ اگر اسلام بھی اس مسئلہ میں پہلے مذاہب کی تقلید کرتا۔ تو پھر اسکو بھی اسی زمرہ میں داخل کرنا پڑتا۔ اور ماننا پڑتا کہ اسلام نے اس مسئلہ میں کوئی نئی بات پیش نہیں کی۔ بلکہ پرانے عقاید کی ہی نقل کی ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ارشاد ہے:۔

"ہمارا مذہب تو یہ ہے۔ کہ جس دین میں نبوت کا سلسلہ نہ ہو۔ وہ مردہ ہے۔ یہودیوں۔ عیسائیوں۔ ہندوؤں کے دین کو جو ہم مردہ کہتے ہیں۔ تو اسی لئے کہ ان میں کوئی نبی نہیں ہوتا۔ اگر اسلام کا بھی یہی حال ہو۔ تو پھر ہم بھی قصہ گو ٹھہرے۔ کس لئے اس کو دوسرے دینوں سے بڑھ کر کہتے ہیں"۔ (البدر ۵ مارچ ۱۹۰۸ء)

حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد اسلام میں

جس قسم کی نبوت کا جاری ہونا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بیان فرمایا ہے۔ وہ حضور سرور کائنات کی کامل پیروی اور اطاعت میں حاصل ہوتی ہے۔ جیسا کہ فرماتے ہیں:۔

"میں اس کے رسول پر صدق دل سے ایمان لایا ہوں۔ اور جانتا ہوں۔ کہ تمام نبوتیں اس پر ختم ہیں۔ اور اسکی شریعت خاتم الشرائع ہے۔ مگر ایک قسم کی نبوت ختم نہیں۔ یعنی وہ نبوت جو اسکی کامل پیروی سے ملتی ہے۔ اور جو اس کے چراغ میں سے نور لیتی ہے۔ وہ ختم نہیں۔ کیونکہ وہ محمدی نبوت ہے۔ یعنی اس کا ظل ہے۔ اور اس کے ذریعہ سے ہے۔ اور اسی کا مظہر ہے۔ اور اسی سے فیضیاب ہے"۔ (چشمہ معرفت صہ ۳۲۴)

اس نبوت کا مقصد حضور نے یہ ارشاد فرمایا ہے:۔

"اس کا مقصد بھی یہی ہے۔ کہ اسلام کی حقانیت دنیا پر ظاہر کی جائے۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سچائی دکھلائی جائے"۔ (چشمہ معرفت صہ ۳۲۵)

پس یہ ایک حقیقت ہے۔ کہ اسلام میں نبوت کا جاری ہونا اس بات کو ثابت کرتا ہے۔ یہی ایک زندہ مذہب ہے۔ جس پر چل کر انسان خدا تک پہنچ سکتا ہے اور ہر قسم کے انعامات کا وارث ہوتا ہے۔ باقی تمام مذاہب مردہ اور قصہ گو ہیں۔ کیونکہ وہ اپنی زندگی کا ثبوت اس رنگ میں پیش کرنے سے قاصر ہیں۔ کہ کوئی انسان ان پر چل کر خدا تک پہنچا ہو۔

حضرت بابا نانک صاحب رح بھی اس بات کے قائل تھے۔ کہ اسلام ایک زندہ مذہب ہے۔ اور اس کی زندگی کے ثبوت میں آپ نے نبوت کا جاری ہونا ہی پیش کیا ہے۔ حضرت بابا جی نے حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مرتبہ مندرجہ ذیل الفاظ میں بیان فرمایا ہے:۔

ص۔ صلاحت محمدی موکھ ہی آکھو نت
خاصہ بندہ سجیا سر متراں متو مت

(جنم ساکھی ولایت والی مطبوعہ ۱۸۸۴ء صہ ۲۵۶)

یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حمد ہمیشہ بیان کرتے رہو۔ وہ خدا کا خاص بندہ تھا۔ اور خدا کا دوست تھا۔ اور جس قدر بھی خدا کے دوست ہوئے۔ ان سب کا وہ سردار تھا۔

اس شلوک میں نہایت عمدگی سے بابا جی نے حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مقام بیان کر دیا ہے۔ جو حضرت نبی کریم ص کے ارشاد "انا سید ولد آدم" اور حضرت مسیح موعود ع کے الہام "پاک محمد مصطفےٰ نبیوں کا سردار" والا مفہوم ہی اپنے اندر لئے ہوئے ہے۔ بابا جی نے اپنے رنگ میں حضرت نبی کریم ص کو "سید المرسلین" اور "خاتم النبیین" تسلیم کیا ہے۔ گو اس شلوک میں آپ نے متر (دوست) کا لفظ استعمال کیا ہے۔ لیکن اس جگہ یہ لفظ اپنے اندر "نبی" کا ہی مفہوم رکھتا ہے۔ نبی سے بڑھ کر خدا کا اور کوئی دوست نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے۔ کہ آپ نے بنی نوع انسان کو حضور کی حمد ہمیشہ بیان کرنے کی تلقین کی ہے۔

حضرت بابا نانک صاحب رح نے حضرت نبی کریم ص کی حمد اور حضور پر درود بھیجنے کے فوائد مندرجہ ذیل بیان کئے ہیں:۔

پیر پیغمبر۔ سالک۔ صادق شہدے اور شہید
شیخ مشائخ قاضی ملاں در درویش رشید
برکت تن کو اگلی پڑھدے رہن درود

یعنی جو لوگ حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی غلامی اختیار کریں گے اور حضور ص پر درود بھیجتے رہیں گے۔ ان کو اللہ تعالےٰ کی طرف سے یہ برکت ملے گی۔ کہ ان میں سے پیر۔ پیغمبر سالک۔ صادق اور شہید وغیرہ بنائے جائیں گے۔

اس شبد میں بابا جی نے اسلام میں نبوت جاری ہونے کے ثبوت میں درود شریف کو پیش کیا ہے۔ اور اس سے ثابت کیا ہے۔ کہ حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کامل اطاعت سے انسان علاوہ اور مقاموں کے مقام نبوت کو بھی حاصل کر سکتا ہے۔

گورو گرنتھ صاحب میں اس نبوت کا مقصد قرآن شریف کی عظمت کو دنیا میں قائم کرنا بیان کیا گیا ہے۔ جیسا کہ لکھا ہے:۔

مہربان مولا تو ہی ایک
پیر پیغمبر شیخ
دلاں کا مالک کرے ہاک
قران کتیب تے پاک (محلہ ۵ صہ ۸۹۷)

یعنی اے مولا حقیقی مہربان تو ہی ایک ہے۔ جس نے دنیا کی اصلاح کے لئے پیر۔ پیغمبر اور شیخ بنائے۔ جو دنیا میں یہ اعلان کرتے ہیں۔ کہ اے لوگو۔ تمہارے دلوں کا مالک یہ کہہ رہا ہے۔ کہ قرآن شریف تمام کتب سے پاک اور افضل ہے۔

ان مندرجہ بالا شبدوں کا خلاصہ مطلب یہی ہے۔ کہ حضرت بابا نانک صاحب نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سردار انبیاء یقین کرتے تھے۔ اور حضور کی غلامی میں ایک قسم کی نبوت کے اجراء کے قائل تھے۔ جس کا کام دنیا میں قرآن شریف کی افضیلت اکملیت کو ثابت کرنا ہے۔

حضرت بابا نانک صاحب نے خود بھی قرآن شریف کے افضل ہونے کا اعلان مندرجہ ذیل الفاظ میں کیا ہے:۔

کل پروان کتیب قرآن
پوتھی پنڈت رہے پوران
نانک ناؤں بھیا رحمان
کر کرتا تو ایکو جان (رام کلی محلہ ۱ صہ ۹۰۳)

یعنی موجودہ زمانہ کے لئے قابل عمل خدا کا منظور کردہ قرآن شریف ہے۔ اور اس سے قبل جس قدر کتب تھیں۔ وہ منسوخ ہو گئی ہیں۔ اب خدا کا نام رحمان جاری ہوا ہے۔ لیکن کرتا پورکھ اور رحمان ایک ہی ہستی ہے۔

بابا جی نے اپنے اس شبد میں قرآن شریف کا رحمان سے تعلق بیان کیا ہے۔ جو اس طرف اشارہ ہے۔ کہ قرآن شریف کا نزول "اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ" کے مطابق صفت رحمانیت کے ماتحت ہوا ہے۔

بابا جی نے قرآن شریف کی پیروی کا نتیجہ خدا سے تعلق بیان کیا ہے۔ جیسا کہ آپ کا ارشاد ہے:۔

قرآن کتیب کمائیے
بھو وٹی ات تن لائیے
سچ بوجھن آن جلائیے
بن تیل دیوا ایوں بلے
کر چانن صاحب ایوں ملے

(جنم ساکھی ولایت والی صہ ۱۶۹)

یعنی قرآن شریف کی پیروی سے انسان کے اندر ایک نور کا چراغ روشن ہو جاتا ہے۔ جس میں کسی قسم کا تیل وغیرہ ڈالنے کی بھی ضرورت پیش نہیں آتی۔ جب انسان پر یہ کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ تو اس کا تعلق خدا سے ہو جاتا ہے۔ اور خدا سے کامل تعلق کا نام ہی دوسرے الفاظ میں نبوت ہے۔ جو انسانی کمال کا آخری درجہ ہے۔ (گیانی عباد اللہ)

میرا سفر حیدر آباد

(۳)

امن شکن لوگوں کی نقصان رسانی

سارا دن ہم آدمی بھیج بھیجکر اسٹیشن سے مدراس ایکسپریس کا پتہ پوچھتے رہے۔ مگر کوئی خبر نہ مل سکی۔ ہم نے اتنی دفعہ یہ انکوائری کی۔ کہ سٹیشن کا عملہ تنگ پڑ گیا۔ بالآخر پھر رات پڑ گئی۔ رات کے نو بجے معلوم ہوا۔ کہ مدراس ایکسپریس بیزواڑہ کے راستے سے نہیں آئیگی۔ بلکہ کئی سو میل کا چکر کاٹ کر براستہ واڑی۔ سکندر آباد قاضی پیٹ کو آرہی ہے۔ جو صبح ۵ بجے پہنچے گی۔ اسلیئے تجویز یہ ہوا۔ کہ کل کی گذشتہ رات کی طرح سے آج پھر ڈھائی بجے کی گاڑی سے قاضی پیٹ چلے جائیں۔ اور وہاں سے مدراس ایکسپریس کو پکڑ لیں۔ عزیز مکرم شیخ داؤد احمد صاحب عرفانی نے کہا۔ کہ آج وہ میرے ساتھ چلیں گے۔ چنانچہ رات کے ½۲ بجے ہم پھر وارنگل سے سوار ہوکر قاضی پیٹ کو روانہ ہو پڑے۔ قاضی پیٹ پہنچکر عزیزم نے ایک بنچ پر میرا بستر کردیا۔ اور مجھے آرام کرنے کے لیے کہا۔ خود وہ آنے والی گاڑی کے متعلق انکوائری میں مصروف ہوگئے۔ کچھ دیر تحقیقات کے بعد انہوں نے مجھے آکر اطلاع دی۔ کہ مدراس ایکسپریس تو ۸ بجے آئیگی۔ مگر ایک گاڑی یہ سامنے کھڑی ہے۔ یہ وہ گاڑی ہے۔ جو گرانٹ ٹرنک ایکسپریس ہے۔ اور پرسوں یہ آئی تھی۔ مگر بیزواڑہ سے آگے نہیں جا سکی۔ ریل کی پٹڑی اکھاڑے جانے کے باعث واپس آگئی ہے۔ اس میں انٹر کلاس کا ایک خالی ڈبہ کھڑا ہے۔ یہ ڈبہ اور سیکنڈ کلاس کے کمرے آنیوالی ایکسپریس کے ساتھ لگائے جائیں گے۔ میں نے اس کے متعلق تحقیقات کرلی ہے۔ اگر آپ پسند کریں۔ تو اس میں آپ کا بستر کردوں۔ میں نے کہا۔ کہ تسلی کرلو۔ انہوں نے کہا۔ کہ تسلی کرلی ہے۔ تب میں نے اس تجویز سے اتفاق کیا۔ سامان اٹھوا کر انٹر کلاس کے کھلے کمرے میں لگا لیا۔

دن چڑھنے پر عزیز مکرم داؤد احمد صاحب کو میں نے واپس بھیج دیا۔ اب میں گاڑی میں بیٹھ کر آنے والی گاڑی کا انتظار کرنے لگا۔ ۸ بجے پھر ۹ پھر ۱۰ پھر ۱۲ - پھر ۲ - پھر ۴ - مگر مدراس ایکسپریس نہ آئی۔ میری طرح کوئی دو سو سے زائد آدمی اس گاڑی میں سوار ہوکر انتظار کر رہے تھے۔ کبھی یہ لوگ بیٹھ جاتے۔ کبھی لیٹ جاتے۔ اور کبھی ٹہلنے لگتے۔ مگر حالت ایسی تھی

نہ جائے رفتن نہ پائے ماندن

ایک بے بسی اور بے کسی کی حالت تھی۔ نہ آگے جا سکتے تھے۔ اور نہ پیچھے۔ دل میں ایک شدید خلش پیدا ہوتی تھی۔ اور حیرانی کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ اس حالت میں میں نے کانگرس کے ان دیوانوں کی حالت پر غور کیا۔ کہ جن لوگوں نے یہ بیہودگی کی ہے۔ انہوں نے یا تو اپنے ابنائے وطن مسافروں پر ظلم کیا ہے۔ اور یا پھر اپنی جانوں پر ظلم کیا۔ حکومت کو ان کی اس دیوانگی کا کیا نقصان ہے۔ حکومتیں تو اپنے کام سب کرلیتی ہیں۔ کیا یہ کم بلند ہمتی ہے۔ کہ حکومت اپنی گاڑی کو کئی سو میل کا لمبا چکر دے کر دوسرے راستے سے لے آئی۔ اور اپنے معمولات میں سوائے چند گھنٹوں کی زیادتی کے اور کوئی فرق نہیں آنے دیا۔ مگر جو ہمارے جیسے بے گناہ مسافر تکلیف اٹھا رہے ہیں۔ ان کا کیا قصور ہے۔ کیا بے گناہ ہم وطنوں کو جو لمبے لمبے سفروں کے لیے گاڑی میں سوار ہوئے بیٹھے ہیں۔ اور ان میں بعض میرے جیسے شدید بیمار ہیں۔ بعض کسی بیمار عزیز کی بیمار پرسی کے لیے جا رہے ہیں۔ بعض کسی شادی کی تقریب پر شمولیت کے لیے جا رہے ہیں۔ بعض ایک ہفتہ کی رخصت پر جا رہے تھے۔ مگر ان کو تین دن ہوگئے۔ کہ وہ راستے میں خراب ہو رہے ہیں۔ اور یہ سب لوگ دل سے ان مفسد لوگوں کے لیے بددعا کر رہے تھے میں نے اپنے گھر تار کی ہوئی تھی۔ کہ فلاں وقت پہنچوں گا۔ وہ سب انتظام درہم برہم ہوگیا۔ والد صاحب میری قادیان کی تار کے منتظر تھے۔ مگر تار کہاں سے آتی۔

بھائی یہ خیال کرتا ہوگا۔ کہ میں ناگپور پہنچ گیا ہوں گا۔ مگر میں ابھی یہاں بیٹھا ہوں۔ اس تکلیف نے ہم سب کی حالت دگرگوں کر رکھی تھی۔ اور ہمارے دل سے رہ رہ کر ان مفسدہ پردازوں کے لیے بددعا نکلتی تھی۔ یہ لوگ جنہوں نے ریل کی پٹڑیاں اکھاڑنے کا اقدام کیا۔ مجھے وہ عقل کے دشمن نظر آتے تھے۔

قصہ مشہور ہے

کہ ایک مجنون کسی درخت کی شاخ پر بیٹھا ہوا اسے آری سے کاٹ رہا تھا۔ کسی نے اسے کہا۔ کہ کیا کرتے ہو۔ تم جس شاخ پر بیٹھے ہو۔ اسے کاٹ رہے ہو۔ گر جاؤ گے۔ اور چوٹ لگ جائے گی۔ مگر اس نے نصیحت پر کان نہ رکھا۔ آخر نتیجہ وہی ہوا۔ اور وہ اس بلندی سے گر کر بیہوش ہوگیا۔ یہی حال ان عقل کے اندھوں کا ہے۔ جو ریل کی پٹڑیاں سوراج حاصل کرنے کے لیے اکھاڑ رہے ہیں۔ ان کو نہیں معلوم۔ کہ کچھ تو ان لوگوں میں سے فوج کی گولیوں کا نشانہ بنیں گے۔ اور کچھ جیل خانہ میں چکی پیسیں گے۔ اور ان کے بال بچے ان کے بعد طرح طرح کی مالی پریشانیوں میں مبتلا ہو جائیں گے۔ اور جو بچ رہیں گے۔ حکومت ان پر بھاری تاوان ڈال کر اپنے ان نقصانوں کو پورا کرے گی۔ اس طرح گویا انہوں نے ریل کی پٹڑیاں نہیں اکھاڑیں۔ بلکہ اپنی زندگی کی لائن اکھاڑ کر پھینک دی۔ اور اس قسم کی باتوں سے سوراج تو ایک طرف رہا۔ ہندوستانی آزادی کی ہوا بھی نہیں کھا سکتے۔ ان لوگوں کا یہ فعل اپنے ملک سے غداری سے مترادف ہے۔ اگر کانگرس کے لیڈروں کے دماغ اب تک درست ہیں۔ اور ان میں قوت فکر باقی ہے۔ تو وہ اس قسم کے افعال کو کبھی بھی پسندیدگی کی نگاہ سے نہیں دیکھیں گے۔

۱۹۲۵ء کا ایک واقعہ

مصر اور ہندوستان کے واقعات تقریباً مسئلہ آزادی کے متعلق یکساں ہیں۔ مصریوں کو اس سلسلہ میں ہندوستانیوں سے کم قربانیاں نہیں دینی پڑیں۔

۱۹۲۵ء میں کچھ نوجوانوں نے طیش میں آکر ایک خفیہ انجمن بنالی۔ اور انہوں نے یہ تجویز کیا۔ کہ انگریزوں کو اپنی گولیوں کا نشانہ بنا کر ختم کر دیا جائے۔ مگر انہوں نے یہ نہ سوچا۔ کہ جو حکومتیں برسر اقتدار ہوتی ہیں۔ ان کا وجود

بھِڑوں کا چھتہ ہوتا ہے

ایک بھِڑ کو چھیڑ دینے سے ساری بھِڑیں یکدم حملہ آور ہو جاتی ہیں۔ زندہ حکومتیں افراد کی وجہ سے زندہ نہیں ہوتیں بلکہ ہر فرد قوم کے وجود کا ایک ایسا ذرہ ہوتا ہے۔ کہ جسے قوم سے منفک نہیں کیا جا سکتا۔ اور جب اس میں سے کوئی ذرہ کٹ جاتا ہے۔ تو فوراً دوسرا ذرہ اسکی جگہ آلیتا ہے۔ اور یہ اتنی سرعت کے ساتھ عمل میں آتا ہے۔ کہ ایک کے ہٹنے اور دوسرے کے اس جگہ آجانے میں کوئی وقفہ معلوم نہیں ہوتا۔ اس لیے اس انجمن کے ممبروں نے عقل سے ذرا بھی کام نہ لیا۔ اور انہوں نے برسر اقتدار حکومت کے افراد کو اپنی گولیوں کا نشانہ بنانا شروع کیا۔ حکومت کے کام میں ان چند آدمیوں کے مرنے سے کوئی بھی روک پیدا نہ ہوئی۔ بالآخر انہوں نے سوڈان کے گورنر کو جس کا نام سرلی سٹیک پاشا تھا۔ قتل کردیا۔ تب حکومت کی ساری مشینری حرکت میں آگئی۔ سوڈان سے مصری فوجیں نکال دی گئیں۔ مصری حکومت کو کئی لاکھ پونڈ مقتول کے وارثوں کو دینا پڑا۔ وزارت ٹوٹ گئی۔ مصر کے ہر دلعزیز اور محبوب لیڈر سعد زغلول پاشا زندہ تھے۔ انہوں نے ان لوگوں کے فعل کی سخت مذمت کی۔ اور کہا۔

کہ ان لوگوں نے ہمارے کام کو اور مصر کی آزادی کو کئی سال پیچھے ڈال دیا ہے

بے شک یہ ایک سچائی تھی۔ اور اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ مصری لیڈر کا دماغ واقعات کو کتنا صحیح دیکھ سکتا تھا۔

پس

اگر ہندوستان کے لیڈر سوچیں۔ تو ان کو معلوم ہو جائے کہ ہندوستانیوں نے ان ایام میں اپنے عقلی توازن کو کھو کر کسقدر اپنا نقصان کیا۔

حکومت برطانیہ پر اسکی اس سختی میں کوئی اعتراض کی گنجائش نہیں۔ کیونکہ قانون شکنی کا نتیجہ ہر اس شخص کو بھگتنا پڑے گا۔ جو قانون شکنی کر رہا ہے۔ کانگرس جو آج تک اس امر کی مدعی تھی۔ کہ وہ عدم تشدد کے ہتھیار استعمال کرے گی۔ اس کے وعدے کہاں گئے۔ اس کے دو ہی معنے ہوسکتے ہیں۔ یا تو یہ کہ کانگرس ملک کی راہنمائی کرنے میں ناکام رہی۔ اور یا یہ کہ کانگرس کا یہ عدم تشدد کا دعویٰ نری ایک لاف تھی اور کچھ نہ تھا۔

الغرض

اس قسم کے خیالات میں میں محو تھا۔ کہ ۵ بجے مدراس ایکسپریس آنے کا اعلان ہوا۔ لیکن ساتھ ہم کو کہا گیا۔ کہ یہ گاڑی جس میں تم سوار ہو۔ نہیں جائے گی۔ آنے والی گاڑی میں سوار ہونے کی کوشش کرو۔ گاڑی کی آمد کی خبر نے جس قدر ہم کو مسرور کیا تھا۔ اسی قدر ہم کو اس خبر نے پریشان کردیا۔ کہ آنے والی گاڑی میں سوار ہونے کی کوشش کرو۔ ہم سب نے اپنا اپنا سامان اتروا کر باہر رکھا۔ مگر دل دھڑک رہا تھا۔ اور یہ ظن غالب تھا۔ کہ جگہ نہیں ملے گی۔ سامنے سے گاڑی آتی نظر آئی۔ مگر قلب کا اضطراب شدید تر ہوگیا۔ کہ اگر جگہ نہ ملی۔ تو کیا ہوگا۔

مختصر یہ کہ گاڑی اسٹیشن پر آگئی۔ گاڑی کی یہ حالت تھی۔ کہ پائیدانوں پر لوگ کھڑے تھے۔ اور انٹر کلاس کا کمرہ فوجی افسروں سے بھرا ہوا تھا۔ اور ان میں سے ایک بڑی تعداد دروازے میں اس طرح جمی ہوئی تھی۔ گویا کہ ان کو دروازے میں ٹھونس دیا گیا۔

مگر میں نے عزم کرلیا

کہ میں ہر قیمت پر اس میں سوار ہوں گا۔ میں نے ان فوجیوں سے درخواست کی۔ کہ مجھے سوار ہونے دیں۔ مگر انہوں نے توجہ نہ کی۔ میں نے ان سے پنجابی بھائی ہونے کی وجہ سے ملتجیانہ [illegible] پر اپیل کی۔ مگر نتیجہ کچھ نہ نکلا۔ انہوں نے تہیہ کرلیا تھا۔ کہ وہ مجھے سوار نہیں ہونے دیں گے۔ اور میں نے عزم کرلیا تھا۔ کہ میں چڑھ کر رہوں گا۔ نرمی اور التجا کے بعد سختی کی باری آئی۔ آوازیں دونوں طرف سے بلند ہوئیں۔ اس شور کو سنکر ریلوے افسر آگئے۔ جنہوں نے مجھے دو دن سے خراب

ہونے دیکھا تھا۔ انہوں نے میری مدد کی۔ اور مجھے کمرے کے اندر کر دیا۔ لیکن اب ایک اور مشکل یہ پڑی۔ کہ اگر میں کسی کے سامنے کھڑا ہوتا ہوں۔ تو وہ کھڑا نہیں ہونے دیتا۔ زمین پر جس جگہ بستر ارکھتا ہوں۔ تو جن کے پاؤں کے سامنے بستر ارکھا گیا۔ وہ شور مچاتے ہیں۔ کہ اٹھاؤ اس جگہ سے بستر ا۔ ان لوگوں نے پورا تہیہ کر لیا۔ کہ وہ مجھے تنگ کریں گے۔ مجھے افسوس ہے۔ کہ ایک یورپین بھی اپنے ساتھ والوں کی اس بد اخلاقی میں شریک تھا۔ اور اس نے اپنے قومی اخلاق کے معیار سے گر کر میرے ساتھ سلوک کیا۔

اس حالت نے

مجھے پھر ایک دفعہ ہندوستانیوں کے اخلاق پر غور کرنے کا موقعہ دیا۔ ہم اپنے پر آپ حکومت کرنے کے متمنی ہیں۔ مگر ہم کو معلوم نہیں۔ کہ قومی تعمیر میں افراد کی کیا قیمت ہوتی ہے ہم صرف اور صرف اپنے نفس کو سب چیزوں پر مقدم کرتے ہیں۔ اور دوسروں کے لئے قربانی۔ ایثار وغیرہ ان چیزوں کو بالکل بھول جاتے ہیں۔ ہم میں جو ذرا افسر ہو جاتا ہے۔ اس کے دماغ میں افسری کا بھوت سوار ہو جاتا ہے اور وہ دوسروں کو حقیر اور ذلیل خیال کرنے لگتا ہے۔ حالانکہ جس افسر کی قوم کے لوگ ذلیل ہوں گے۔ وہ کبھی معزز نہیں سمجھا جا سکتا۔ برطانیہ اور دیگر برسر اقتدار حکومتوں کی عزت کا ایک یہ بھی راز ہے۔ کہ وہ اپنے کسی فرد کو نہ ذلیل خیال کرتے ہیں۔ اور نہ ذلیل ہونے دیتے ہیں۔

ہندوستانیوں اور دوسری قوموں میں فرق

جن دنوں میں مصر میں مقیم تھا۔ مجھے ایک دفعہ برٹش قونصل جنرل مقیم قاہرہ کے پاس ایک مصیبت زدہ ہندوستانی کی سفارش کے لئے جانا پڑا۔ بہت سی باتیں ہوئیں۔ بالآخر قونصل جنرل نے مجھے کہا۔ کہ ہندوستانی لوگ خود ایسی باتیں کرتے ہیں جن سے وہ اپنے لئے دوسروں کی ہمدردی کو کھو دیتے ہیں۔ انہوں نے کہا۔ کہ انہوں نے ایک ہندوستانی کو مالی مدد دی۔ کہ وہ ہندوستان چلا جائے۔ وہ ہم سے مدد لیکر اسکندریہ چلا گیا۔ اور وہاں کے قونصل سے جا مدد کا طالب ہوا۔ برخلاف اس کے ہم نے ایک مالٹی کو مدد دی۔ تو وہ چند دن کے بعد آیا۔ اور اس نے کہا۔ کہ جناب میں نے آپ سے روپے لئے تھے۔ کہ وطن چلا جاؤں۔ مگر اب مجھے ایک کام مل گیا ہے۔ اس لئے آپ کی رقم واپس لے آیا ہوں۔ مجھے یہ سنکر ندامت ہوئی۔ یہ سچ بات ہے۔ کہ جب تک ملک کے عام افراد کی تربیت نہ ہو۔ اس وقت تک کوئی قوم متمدن اور معزز نہیں بن سکتی۔ گاڑی میرے ہم وطنوں سے بھری ہوئی تھی۔ مگر وہ میرے ساتھ پوری بے رخی برت رہے تھے۔

لیکن خدا نے جلد میری مدد کی

ایک یو۔ پی کے مسلمان شریف نوجوان نے ایک اوپر کی برتھ پر سے اپنا سامان درست کر کے خود اپنا بستر اوپر لگا لیا۔ اور مجھے نیچے کی برتھ پر جو ایک کونے میں تھی۔ جگہ دی۔ اور میرا بستر آدھی برتھ پر لگوا دیا۔ باقی کی نصف پر ایک مدراسی عیسائی تھا۔ مجھے جب اطمینان کی جگہ مل گئی۔ تو میں نے اپنے خدا کا شکر کیا۔ اور حمد کی۔ تھوڑی دیر قبل جو لوگ۔ مجھے قہر کی نگاہ سے دیکھ رہے تھے۔ وہ اب مجھے حیرانی سے دیکھ رہے تھے۔

ہماری تکلیف کا ایک اور سبب

لمبے سفروں میں تھرڈ گاڑیوں میں ایک ایک ڈبہ ہوتا ہے۔ مگر اس میں ایک اور چیز باعث تکلیف ہوتی ہے۔ وہ یہ کہ بے پردہ عورتیں اپنے مردوں کے ساتھ مردانہ کمروں میں سوار ہو جاتی ہیں۔ اور وہ عورتیں پوری سیٹ پر قبضہ کر لیتی ہیں۔ چنانچہ اس کمرے میں جہاں بہت سے مرد زمین پر لیٹے ہوئے تھے۔ دو عورتیں پوری پوری سیٹ پر قابض تھیں۔ اور زنانہ کمرہ تقریباً خالی جا رہا تھا۔ اگر ریلوے افسر کم از کم اتنی نگرانی کر لیا کریں۔ کہ عورتوں کو عورتوں کے کمروں میں جانے کے لئے حکم دیا کریں۔ تو مردوں کو بہت سی آسانی ہو سکتی ہے۔

بہر حال

گاڑی چلی اور ہم قادیان کے قریب ہونے لگے۔ (باقی)

(بقیہ مضمون صفحہ ۲)

گئے۔ کہ موت سامنے اور یقینی نظر آ رہی تھی۔

چنانچہ

الحکم کا جوبلی نمبر میں نے اسی حالت میں لکھا۔ اور تیار کیا۔ میرے ساتھ کوئی عملہ اور کوئی مددگار نہ تھا۔ میں خود ہی اسی حالت میں لاہور جاتا اور آتا تھا۔ راتوں کو جاگ کر۔ دن کو کام کر کے ایک تحفہ قوم کے سامنے پیش کیا۔ مجھے اعتراف ہے۔ کہ قوم نے اسے قبول کرنے میں میری بڑی ہمت افزائی کی۔ اور میں نے اگرچہ مالی طور پر تو نہیں۔ لیکن ان دعاؤں کے ذریعے جو اس وقت مجھے ملیں۔ اپنی محنت کے دام پا لئے۔

لیکن

مجھے کہنے دیجیے۔ کہ قوم نے اس کام میں بھی میری ہمت افزائی میری قدر کے مطابق تو کی۔ لیکن اپنی قدر کے مطابق نہیں کی۔ آجتک بھی اس اخبار کی دوسو سے زائد کاپیاں پڑی ہوئی ہیں۔ اور ایک دو رقمیں آج تک اس حساب میں میرے ذمہ واجب الادا ہیں۔ اگر دوست ہمت کرتے تو اس پرچے کا ایک اور ایڈیشن بھی چھپ سکتا تھا۔ چہ جائیکہ پہلا ایڈیشن بھی ختم نہ ہو سکا۔

میں نے ہر چند الحکم کے زندہ رکھنے کے لئے اپنی آواز بلند کی۔ مگر افسوس میری بیمار آواز میں کوئی بل ثابت نہ ہو سکا۔ مجھے میرے دوست کہتے ہیں۔ کہ اخبار کو ہر قیمت پر جاری رکھو میں ان دوستوں کو کہنا چاہتا ہوں۔ کہ میرے پاس تو صرف میری جان ہے۔ اور میں اپنی جان کو اس اخبار کی زندگی کے لئے خرچ کر دینے سے دریغ نہیں کرتا اور نہ کروں گا۔ مگر یہ جان پریس کے بلوں، کاغذ کی قیمت۔ کاتب کی اجرت۔ ڈاکخانہ کے ٹکٹوں میں کیسے دیدوں۔ اس کے لئے تو روپیہ کی ضرورت ہے۔ اور روپیہ کا یہ حال ہے۔ کہ گذشتہ ماہ مئی سے لیکر آج ۲ ستمبر تک کہ میں یہ مضمون لکھ رہا ہوں الحکم کے فنڈ میں سوائے ایک بزرگ کی اعانت کے ایک پیسہ آمد نہیں ہوئی۔ اب بتلاؤ۔ کہ یہ سلسلہ عمل کیسے چلے؟ اسکی ایک ہی صورت ہے۔ کہ وہ احباب جن کے سینے میں خدا تعالیٰ کوئی ہمدردی اور محبت پیدا کرے۔ وہ الحکم کو زندہ رکھنے کے لئے آگے آئیں۔ اگر وہ خریدار نہیں ہیں۔ تو خریدار بن جائیں۔ اور قطع نظر کہ ان کو کتنے پرچے ملتے ہیں۔ کتنے صفحے ملتے ہیں۔ وہ اس لئے خریدار ہوں۔ کہ الحکم زندہ رہ سکے۔

میرے دوستو! تم میں سے بہت ایسے ہیں۔ کہ جو سلسلہ کے لئے شاندار قربانیاں کرتے ہیں۔ اور ان کی قربانیوں کا مقام بلند ہے۔ کیا وہ الحکم کیلئے اتنی تھوڑی سی قربانی نہیں کر سکتے۔ کہ پانچ روپیہ کی حقیر رقم الحکم کو زندہ رکھنے کے لئے صرف کر دیں۔ تم میں ایسے لوگ بھی ہیں۔ جو اپنے دوستوں کی پارٹیوں پر بیسیوں روپے صرف کر دیتے ہیں۔ کیا وہ الحکم کے بقاء کے لئے پانچ روپیہ کا اضافہ نہیں کر سکتے۔

سلسلہ کو اخبارات کی ضرورت ہے

ایک وقت تھا۔ کہ ہمارے سلسلہ کا پریس مضبوط تھا۔ مگر اب بدر کے بعد فاروق بھی ختم ہوا۔ الحکم کا ذکر ایسے قابل ذکر نہیں۔ کہ وہ اپنے پاؤں پر کھڑا نہیں۔ اب اس لحاظ سے صرف الفضل ایک روزانہ اخبار ہے۔ اور نور ایک پندرہ روزہ۔ اور بس۔ کیا تم اس مشکل کو محسوس نہیں کرتے۔ کیا تم کو اس ضرورت کا احساس نہیں۔ کہ ہمارا پریس جہاں کل تھا۔ وہاں آج نہیں۔ زندہ قومیں تو قدم آگے ہی آگے بڑھاتی ہیں۔ وہ پیچھے ہٹنے کو عیب اور عار سمجھتی ہیں۔ اس لئے میرے پیار و اپنا قدم آگے بڑھاؤ۔ اور کم از کم اتنا تو کرو۔ کہ حضرت امیر المؤمنین ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کی یہ بات تو پوری ہو سکے۔

" دوست الحکم کو کم از کم اتنا ہی سہارا دیتے جائیں۔ کہ اسے یہ کہنے کا موقعہ نہ مل سکے۔ کہ دوست اسکے جاری رہنے میں کوئی مدد نہیں کرتے۔"

میں آج پھر با دیدہ تر اور قلب حزیں کے ساتھ ایک دفعہ زندہ جماعت کو اپنے امام کے ان الفاظ کے ساتھ پکارتا ہوں۔ اور منتظر ہوں۔ کہ کون خدا کا بندہ سہارا دینے کے لئے آگے بڑھتا ہے۔ ہماری اول و آخر نگاہ تو اس آستانہ الٰہی پر ہے۔ جس کے قبضہ قدرت میں سب دل ہیں۔ نعم المولیٰ و نعم النصیر۔ (محمود احمد عرفانی)